ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی امتیازی آراء

حافظ انجینئر نوید احمد
ریسرچ اسکالر شعبہ علوم اسلامی

ABSTRACT:

Dr. Israr Ahmed (RA) was not only a great thinker of Qur'aanic thought and wisdom but also a great well-wisher and reformist of humanity. Through his teachings and writings he inculcated in people a drive to revert to the teachings of the Qur'aan. With his understanding of Qur'aanic thought, he elaborated some very strategic points of the Qur'aan in a relatively contemporary setting. On certain scholastic and intellectually divisive issues concerning the Muslim Ummah today, he profoundly brought forward his unequalled opinions as genuinely valid solutions. However, he was very well aware of any fitnahwhich could have followed after he would bring forward a new opinion about any point, therefore, as a remedial measure, he made it the crux of his argument that when it comes to fundamental beliefs and practices (AquaaedaurAamal), we will have to adhere very strongly to the approach of our Islaaf (elders). Conformably, by bringing forward his unique and unequalled opinions, Dr. Israr Ahmed (RA) never intended to create intellectual chaos, in fact it was an

elaboration of unequivocal and accordant facts of Deenin a contemporary and logically driven setting of modern times. It was an attempt to create harmony in Ummah on divisive and conflicting issues. Hence, his unique and unparalleled opinions are the highlights of the following article.

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کی بلیغ وضاحت

ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق واضح کرنے کیلئے ۱۹۶۸ء میں کئی مقامات پر خطبات دیے جنہیں بعد میں انہوں نے کتابی صورت میں تحریر کیا۔ ان خطابات کی وجہ یہ بنی کہ جب ۱۹۶۸ء میں صدر ایوب خان کے دورِ اقتدار کے دس برس مکمل ہوئے تو اس کی خوشی میں پورے ملک میں سرکاری سطح پر مختلف عنوانات کے تحت "جشن" منائے گئے مثلاً جشن خیبر اور جشن مہران وغیرہ۔ اسی سلسلہ ہائے جشن میں ایک اضافہ "جشن نزول قرآن" کا بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحبؒ نے حکومت کی اس سرگرمی پر شدید رد عمل کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"آپ کو معلوم ہے کہ آج کل ہمارے ملک میں سرکاری اور غیر سرکاری دونوں سطحوں پر "نزول قرآن مجید کا چودہ سو سالہ جشن" منایا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں دو باتیں سمجھ لینے کی ہیں۔

ایک یہ کہ اس قسم کی نئی نئی تقریبات کی ایجاد و ترویج ہمارے دین کے مزاج سے مناسبت نہیں رکھتی۔ ہمیں اپنے تمام دینی جذبات کے اظہار کے لیے صرف ان تقریبات پر اکتفا و قناعت کرنا چاہیے جو حضور نبی اکرم ﷺ سے ماثور چلی آ رہی ہیں۔ ان میں نت نئے اضافوں سے دین میں بدعت کا دروازہ کھلتا ہے جس سے بے شمار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضور ﷺ کا یہ فرمان مبارک ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ:

وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔(۱)

"سب سے برے کام وہ ہیں جو دین میں نئے ایجاد کر لیے جائیں۔ ایسا ہر کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی و ضلالت ہے"

موجودہ سلسلۂ تقریبات کے ساتھ لفظ "جشن" بھی خاص اہمیت کا حامل ہے، اس سے ذہن خواہی نخواہی جشنوں کے اس سلسلے کی جانب منتقل ہو جاتا ہے جو خیبر سے کراچی تک مختلف علاقائی ناموں سے منائے جا رہے ہیں اور جن میں اس نام نہاد ثقافت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید کی تعلیمات پر ایک کھلا طنز ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الحاد پسند اور اباحیت پرست لوگوں کیلئے اس قسم کے بے شمار جشنوں کے اہتمام کے ساتھ جشن نزول قرآن مجید کا انعقاد گویا ایک رشوت ہے جو مذہبی ذوق رکھنے والے لوگوں کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

دوسری قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس قسم کی تقریبات سے اگر یہ فائدہ اٹھایا جائے کہ ان کے ذریعے عوام میں دین و مذہب

سے لگاؤ پیدا ہو، قرآن حکیم کے ساتھ ان کا ربط و تعلق بڑھے اور اس بُعد میں کمی ہو جو آج ہمارے اور قرآن مجید کے مابین پیدا ہوگیا ہے تو پھر بھی ان کے انعقاد کے جواز کا کوئی پہلو شاید پیدا کیا جا سکے لیکن جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس قسم کا کوئی فائدہ اس نوعیت کی تقاریب سے حاصل نہیں ہوتا۔ قرآن کی تزئین و آرائش یا حسن قراءت کے مظاہروں اور مقابلوں سے تو بہر حال اس قسم کے کسی فائدے کے حصول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو کانفرنسیں یا جلسے قرآن مجید کے نام پر منعقد ہوتے ہیں ان میں بھی اکثر سارا زور قرآن مجید کے مقام و مرتبہ کی وضاحت یا اس کی شان کے بیان پر صرف کر دیا جاتا ہے اور اس بات کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے کہ ہم پر بحیثیت مسلمان قرآن مجید کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں اور ان کی ادائیگی کی کیا صورت ممکن ہے!" (۲)

فلسفۂ وحدت الوجود کی حکیمانہ تعبیر

ابن عربیؒ، مولانا رومؒ، شیخ احمد سرہندیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور دیگر نامور صوفیاء وحدت الوجود کے نظریہ کو درست مانتے ہیں۔ سطحی سا علم رکھنے والے بعض عناصر "وحدت الوجود" اور "ہمہ اوست" (Pantheism) کے درمیان فرق کو نہ سمجھ سکے۔ وہ ان دونوں تصورات کو ایک ہی سمجھ کر مذکورہ بالا شخصیات کے بارے میں سوءِ ظن میں مبتلا ہو گئے۔ کچھ لوگ تو انہیں مشرک کہہ دیتے ہیں اور باقی لوگوں کی رائے بھی یہ ہے کہ وہ گمراہی کی طرف چلے گئے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ نے وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے فرق کو بڑی عمدگی سے واضح کر کے اسلاف کے بارے میں سوءِ ظن کا ازالہ کر دیا۔ فلسفۂ وحدت الوجود کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اب ذرا نظریہ "وحدت الوجود" کی بحث کی طرف آیئے کہ صرف اللہ کا وجود مطلق ہے، قدیم ہے اور دائم ہے، جبکہ ماسوئی کا وجود عطائی ہے، محدود ہے، حادث اور فانی ہے۔ گویا کہ وجود تو صرف اسی کا ہے، کسی اور کا کوئی وجود ہے ہی نہیں۔ یہ ماسوئی سے وجود کی نفی ہے۔ یہ "وحدت الوجود" ہے اور درحقیقت یہ توحید فی الصفات کی بلند ترین منزل ہے۔ جو یہاں نہیں پہنچا وہ فکری سطح کے اعتبار سے توحید کی آخری منزل تک نہیں پہنچا" (۳)

پھر ڈاکٹر صاحبؒ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کے فرق کو یوں واضح کرتے ہیں:

> "نظریہ "ہمہ اوست" کو تو میں بھی کفر اور شرک سمجھتا ہوں۔ اب ہمہ اوست اور وحدت الوجود کے فرق کو جان لیجیے! "ہمہ اوست" کو یوں سمجھئے کہ برف پگھل کر پانی بن گیا تو برف معدوم ہو گئی اور اب پانی ہی برف ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے تو یہ کائنات حقیقت قرار پاتی ہے اور نعوذ باللہ خدا اس میں گم ہو جاتا ہے۔ جبکہ وحدت الوجود یہ ہے کہ حقیقی وجود صرف خدا کے لیے ہے اور ماسوئی کا وجود ہی نہیں ہے۔ تو ان دونوں نظریات میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو گیا اور یہ ایک دوسرے کی ضد ہو گئے۔ اس لیے کہ "ہمہ اوست" میں مخلوق حقیقت ہے اور خالق اس میں گم ہے اور "وحدت الوجود" میں خالق حقیقت ہے اور مخلوق کا وجود گم ہے۔ لہٰذا جب ان دونوں نظریات کو خلط مبحث کیا گیا تو بہت سے لوگوں کو مغالطہ ہو گیا۔ جب یہ

confusion زیادہ ہوا تو اس میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ نے اصلاح کی اور انہوں نے "وحدت الوجودؒ" کے بجائے "وحدت الشہودؒ" کا نظریہ پیش کیا"(۴)

وحدت الشہود کے نظریے کی وضاحت ڈاکٹر صاحبؒ نے ان الفاظ میں کی:

"وحدت الشہود یہ ہے کہ حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے اور کائنات کا وجود اعتباری ہے اور اُس کا محض عکس ہے۔ جیسے اصل وجود درخت کا ہوتا ہے لیکن اس کا سایہ جو زمین پر پڑ رہا ہوتا ہے وہ نظر تو آ رہا ہوتا ہے لیکن اس کا وجود کوئی نہیں ہوتا۔ ایسے ہی یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے اظلال اور سائے ہیں اور ان کی کوئی ذاتی حقیقت نہیں ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ؎

کُلُّ مَا فِی الْکَوْنِ وَھْمٌ اَوْ خَیَال
اَوْ عُکُوْسٌ فِی الْمَرَایَا اَوْ ظِلَال

کہ جو کچھ اس کائنات میں ہے وہ محض وہم ہے یا خیال ہے' یا جیسے شیشے میں کوئی عکس ہوتا ہے یا سایہ۔ آپ شیشے میں نظر تو آ رہے ہوتے ہیں لیکن وہاں ہوتے نہیں ہیں۔ انہوں نے اسے ایک اور مثال سے یوں واضح کیا کہ ایک لکڑی لے کر اس کے ایک سرے پر کپڑا باندھیں اور اس کے اوپر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگا دیں اور اسے ایک دائرے میں تیزی کے ساتھ حرکت دیں تو دیکھنے والوں کو یہ ایک آتشیں دائرہ نظر آتا ہے۔ لیکن در حقیقت وہ آگ کا دائرہ نہیں ہوتا' بلکہ شعلے کی حرکت آتشیں دائرے کا روپ دھار لیتی ہے۔ اب دیکھئے اس نظریے میں کائنات اور ماسویٰ کی نفی ہو گئی اور اثبات صرف اللہ کا ہوا۔ "وحدت الوجود" اور "وحدت الشہود" میں صرف تعبیر کا فرق ہے' اور حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لوگوں کو سمجھانے کیلئے یہ فرق کیا ہے۔ یہ محض سمجھانے کا ایک لطیف سا انداز ہے"(۵)

بحث کے آخر میں وجودِ باری تعالیٰ کی ہمہ گیریت و رکتائیت کو سمجھانے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے ایک خوبصورت تمثیل کا سہارا لیا ہے:

"اس کی ایک اور بہترین تمثیل اس دور میں مولانا مناظر احسن گیلانی نے یہ بیان کی کہ تم ذرا تصور کر کے اپنے ذہن میں تاج محل یا مینارِ پاکستان کا نقشہ لے آؤ۔ یہ گویا تمہاری محض ایک خیالی تخلیق ہے جو تمہارے ذہن میں ہے اور تمہارے ذہن سے باہر اس کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے اوپر بھی تم ہو' اس کے نیچے بھی تم ہو' اس کے باہر بھی تم ہو اور اس کے اندر بھی تم ہو۔ تو یہی نسبت خالق و مخلوق کے مابین ہے۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحدید: ۳) "وہی اوّل ہے' وہی آخر ہے' وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے"۔ اور یہ کائنات محض اس کے خیال کے مانند ہے۔ ہمارا خیال تو بڑا کمزور سا خیال ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا خیال بڑا ٹھوس اور پختہ خیال ہے۔ البتہ یہ جان لیجیے کہ جس طرح ہماری ذہنی تصویر کا انحصار اور قیام ہماری توجہ پر ہوتا ہے' جیسے ہی توجہ ہٹتی ہے تصویر بھی ذہن سے محو

ہو جاتی ہے‘ اسی طرح اس کائنات کا قیام بھی اللہ تعالیٰ کی توجہ سے ہے۔ اُس کی توجہ ہٹے تو یہ معدوم ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ وہ الحیّ القیوم ہے‘ از خود ہے اور اس کائنات کو تھامے ہوئے ہے۔ جیسے تم اپنی توجہ کو مرتکز رکھو گے تو وہ ہیولیٰ تمہارے ذہن میں رہے گا‘ تم قیوم ہو اُس کے‘ ایسے ہی اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا القیوم ہے‘ اسے تھامے ہوئے ہے‘‘(۶)

شادی بیاہ کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے معاشرہ میں شادی بیاہ‘ ولادت اور وفات کے مواقع پر جو رسوم ادا کی جاتی ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر ہندوانہ تہذیب کی الباقیات السیات ہیں اور ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ خاص طور پر شادی کے موقع پر لوازمات و رسومات کے روز افزوں طومار نے جس طرح ایک سماجی برائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحب نظر اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لیے تو یہ تقریبات و رسومات صرف ’’چونچلوں‘‘ یا پھر اپنے ’’کالے دھن‘‘ کے نمائش و اظہار کے ذرائع کی حیثیت رکھتی ہیں‘ لیکن عوام کی اکثریت کے لیے یہ ناقابل برداشت بوجھ یا بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں‘ جن کے باعث شادی میں تاخیر ہوتی ہے اور اس ’’اُمّ الخبائث‘‘ (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔ ہمارا دین‘ دینِ فطرت ہے۔ اس نے فطرت کے مطابق ان تمام مواقع اور تقاریب کے لیے ایسی مبنی بر عدل رہنمائی عطا فرمائی ہے جس سے معاشی اعتبار سے کسی بھی معیار کے خاندان کے لیے ناقابل برداشت بوجھ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔

ملت کے چند دیگر مصلحین کی طرح ڈاکٹر اسرار احمد بھی اپنی تقاریر کے ذریعہ شادی کے موقع پر بے جا رسومات کی اصلاح کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

’’میں نے ’’خطبۂ نکاح‘‘ سے قبل ’’خطاب‘‘ کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی اور خاص طور پر حدیث مبارکہ (اَلنِّکَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ) کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی‘ وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ ’’اتباعِ سنت‘‘ کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو ہمیں یہ طے کر ہی لینا چاہیے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں کے روند دیا جائے۔ مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیے(۷)‘ جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیے‘ گھروں کی تزئین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیے اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیے یعنی دعوتِ ولیمہ۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام کا سلسلہ بالکل

بند ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔"(۸)

مسلسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ ڈاکٹر صاحب کی باتیں سن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے تو ری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس وعظ کی تائید و تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو کرتے وہی کچھ تھے جو معاشرے میں رائج تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۷۳ء کے اواخر میں ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے اور گویا خاندان کی ایک نسل کی یہ آخری شادی تھی۔ اس موقع پر ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کن اقدام کا عزم کیا۔ لکھتے ہیں:

"کراچی میں بعض تجارت پیشہ برادریوں میں نکاح کی مجالس کے مساجد میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہوا اسے لاہور یا پنجاب کے دور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی' لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے' اس کے بارے میں یہاں تا حال سوچا بھی نہیں گیا۔ چنانچہ میں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیر اسلامی رسوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام کا آغاز کر دیا ہے۔ نیز میں نے اس کے ساتھ ہی "میثاق"(۹) میں اپنے ان فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ میں آئندہ سے:

الف) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا' کیونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصورات پر مبنی ہے۔

ب) نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا' کیونکہ خیر القرون سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوتِ ولیمہ مسنون ہے' جس کا نہ صرف ثبوت نبی اکرم ﷺ کا تاکیدی حکم بھی ملتا ہے۔

ج) نکاح کی کسی ایسی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔

الحمد للہ و المنۃ! میں اپنے ان فیصلوں پر کاربند ہوں۔ میں آپ حضرات کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجیے' بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی ان تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجیے جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کی ان تمام رسوم کا' جن کا ہمارے ہاں رواج ہے' جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم اور اسوۂ رسول ﷺ کے ذریعے ہمارے کاندھوں پر سے بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ "اور (ہمارا یہ نبی اُمّی) لوگوں پر سے وہ بوجھ اُتارتا ہے جو اُن پر لدے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے"۔ پس نبی اکرم ﷺ کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے دین کو آسان سے آسان بنایا ہے۔ آپ ﷺ نے ہدایت دی کہ یَسِّرُوْا وَلَا

تَعَسَّرُوْا (متفق علیہ) "آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو"۔ لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں۔ ہم نے شادی بیاہ کی تقریب میں لاتعداد اضافی رسوم کو اختیار کر رکھا ہے جس سے شادی ایک بے انتہا گراں مسئلہ بن گیا ہے"(۱۰)

جہیز کا مطالبہ کرنے والوں کو شرم دلاتے ہوئے ڈاکٹر صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

"میں کہا کرتا ہوں کہ بچی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے لختِ جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں، لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر اُن کے مطالبات کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندوانہ رسم ہے، لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیاء تک محدود رہتا تھا، لیکن اب تو بیٹے والوں کو فریج بھی چاہیے، ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی! میں نے سنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدارا غور کیجیے کہ جس بچی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے، کہاں جائے، اپنی سفید پوشی کا بھرم کیسے قائم رکھے اور اپنی جوان بیٹیوں کو کیسے بیاہے!!"(۱۱)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر صاحبؒ نے جن اقدامات کا فیصلہ کیا وہ شدت کا رنگ لیے ہوئے ہیں لیکن جب تک ایسی سختی نہ کی جائے لوگ اپنی گردنوں سے رسومات کے بوجھ اتارنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر صاحبؒ بیان فرماتے ہیں:

"مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر شدت کی صورت پیدا ہوئی، لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوتا۔ الحمد للہ کہ میرے رفقاء و احباب میں بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی"(۱۲)

۲۷ راگست ۱۹۸۱ء کو بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر صاحب کی تیسری بچی کا عقدِ نکاح مسجد جامع القرآن لاہور میں ڈاکٹر صاحب کے طے کردہ اصولوں کے تحت منعقد ہوا۔ اس پر انگریزی روزنامے "پاکستان ٹائمز" نے بھی "An Austere Marriage" کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا اور جناب م ش نے تو اپنی ڈائری (نوائے وقت ۳۰ اگست ۱۹۸۱ء کے کالم) میں تحریر کیا:

ایک ٹن وعظ کے مقابل میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!

ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے"۔ اس اصول کا عملی مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں اس وقت ہوا جب مشہور عالم دین اور مفسرِ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بچی کی شادی کی جملہ تقریبات میں سنتِ نبویؐ کے مطابق انجام دے کر ایک عملی مثال قائم کی۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظِ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر کے جو اثرات قبول کیے وہ انمٹ تھے۔

نمازِ مغرب کے وقت مسجد کا ہال حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیے۔ قرآن پاک کی آیاتِ مبارکہ تلاوت کرنے میں ان کے لحن میں سوز و گداز ابھر آیا تھا۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک مختصر تقریر میں

جہیز اور ولیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ پھر خطبہ نکاح پڑھا اور بس ان کی بیٹی سلمیٰ بیاہی گئیں۔ اور یہ تقریب درود وصلوٰۃ کے درمیان اختتام پذیر ہوئی۔

ہمارے ہاں شادی بیاہ، موت اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامہ، ایک مسلسل دردِ سر اور اسراف بیجا کا نشان بن چکی ہیں، ہزاروں مساجد، ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے کم وبیش روزانہ امام صاحبان اور مقرر حضرات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص ٹس سے مس نہیں ہوتا، ہنگاموں کا دردِ سر اور اسراف بیجا کا عمل غیر مختتم طور پر جاری رہتا ہے۔ لیکن پاکستان میں کم از کم ایک بندۂ خدا نے قول و فعل کے تضاد سے بچتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ میں دعا کرتا ہوں کہ اس پر گامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو۔ آمین''

حوالہ جات وحواشی

۱۔ سنن النسائی' کتاب صلاۃ العیدین باب کیف الخطبۃ

۲۔ ڈاکٹر اسرار احمد، مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۱۱، ص ۲۵

۳۔ ڈاکٹر اسرار احمد، حقیقت واقسام شرک، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۸، ص ۷۹ تا ۸۰

۴۔ ڈاکٹر اسرار احمد، حقیقت واقسام شرک، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۸، ص ۸۰

۵۔ ڈاکٹر اسرار احمد، حقیقت واقسام شرک، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۸، ص ۸۰ تا ۸۱

۶۔ ڈاکٹر اسرار احمد، حقیقت واقسام شرک، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اکتوبر ۲۰۰۸، ص ۸۱ تا ۸۲

۷۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے: (اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ) ''نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کرو۔'' یہ ترمذی کی روایت ہے۔

۸۔ ڈاکٹر اسرار احمد، ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۷، ص ۸

۹۔ ''میثاق'' تنظیم اسلامی کا ترجمان رسالہ ہے جو ہر ماہ شائع ہوتا ہے۔

۱۰۔ ڈاکٹر اسرار احمد، ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۷، ص ۴۶ تا ۴۷

۱۱۔ ڈاکٹر اسرار احمد، ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۷، ص ۴۹ تا ۵۰

۱۲۔ ڈاکٹر اسرار احمد، ایک اصلاحی تحریک مع خطبہ نکاح، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، اپریل ۲۰۰۷، ص ۱۳